فکر و نظر--- اسلام آباد جلد:۴۰-۴۱ شمارہ:۴،۱

قرآنی تصورِ مملکت

ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ☆

جزیرہ نمائے عرب اسلام سے پہلے کبھی ایک اقتدار کے تحت متحد نہیں ہو سکا تھا، اور یہ ایک انوکھا اور عجیب و غریب واقعہ تھا کہ پورے ملک نے حضرت محمد ﷺ کو متحدہ طور سے اپنا روحانی اور سیاسی سردار تسلیم کر لیا۔ جس ملک میں نراج کا دور دورہ ہو، وہاں دس ہی سال کی کوشش میں ایک مرکزیت اور نظام قائم کر دینا رسول کریم ﷺ کا عظیم الشان کارنامہ تھا، آنحضرت ﷺ اپنے آپ کو آسمانی وحی کا تابع قرار دیتے تھے، جو وقتاً فوقتاً آتی تھی، اور جس کا مجموعہ اب قرآن کے نام سے دنیا میں موجود و مشہور ہے۔ اگر کوئی شخص سیرۃ نبویہ کا قریب سے مطالعہ کرے تو اسے ام المومنین حضرت عائشہؓ کے اس قول کی صحت کو باور کرنے میں ذرا بھی دشواری نہ ہوگی کہ قرآن رسول کریم ﷺ کی زندگی کا آئینہ ہے۔ (کَانَ خلقه الْقرآن) اسی لئے یہ معلوم کرنا کہ آنحضرت ﷺ کی شریعت میں مملکت کا تصور کیا ہے، بڑی آسانی کے ساتھ قرآن کو دیکھنے سے ممکن ہے۔

یہ چیز قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید میں نہ صرف ازمنہ سابقہ کے پیغمبروں کے حالات بیان ہوئے ہیں، بلکہ ان کی سیرتوں کو جو قرآن میں ہیں اب بھی ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔ بجز اس کے کہ صراحت سے قرآن اسے یا اس کے کسی جزء کو منسوخ قرار دے، دوسرے الفاظ میں انبیائے سابقہ کی سنت مسلمانوں پر اب بھی واجب التعمیل ہے، بجز اس کے کہ اس کے کسی معین جزء کے فسخ کا کوئی حکم قرآن مجید میں یا رسول اکرم ﷺ کے افعال و اقوال میں صراحت سے ملتا ہو، ایک آیت ملاحظہ ہو:

"اولٰئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ" یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی، اگر کوئی لوگ اس کو نہ مانیں تو ہم یہ امانت ایسے لوگوں کے سپرد کریں گے، جو اس سے انکار نہ کریں، یہی وہ لوگ ہیں[1]۔ جن کی خدا نے ہدایت کی ہے، اس لئے تو ان کی

۱۔ معارف، شمارہ ۶، جلد ۴۸، دارالمصنفین، اعظم گڑھ (انڈیا)

اور سرکاری قیدخانوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ (سورہ یوسف)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو حالات قرآن مجید میں ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ان مقدس رہنما کی تمنا اور کوشش یہ تھی کہ ارضِ موعود میں ایک مملکت قائم کریں، مگر قوم نے نااہلی کے مظاہرے (عدمِ اطاعت احکام الٰہی) سے مایوسی کا سامان کر دیا، آخر ان کی قوم کو چالیس سال تک انتظار کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ ایک بالکل نئی نسل پیدا ہو، جس کی بچپن ہی سے ان کی نگرانی میں تعلیم و تربیت ہو، اور پھر اس نئی نسل کی مدد سے وہ ارض موعود کو فتح کریں۔ گو اسی اثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وفات پائی اور ان کی چہل سالہ تربیتی اسکیم ان کے بعض فیض یافتوں نے مکمل کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو فرعونِ مصر تھا، وہ قرآنی تذکرے کے مطابق ایک خاصا باقاعدہ حکمران تھا، جس کا ایک وزیر تھا اور جس کے مشورے کے لئے معمرین اور اہل الرائے لوگوں کی ایک مجلس بھی پائی جاتی تھی۔ اس مجلس کے اجلاسوں کی جو روئیداد قرآن مجید میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے سوچے سمجھے اور عاجلانہ فیصلے نہیں کیا کرتی تھی، بلکہ اس کے مشورے مناسب اور قابل عمل ہی ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے ان کی جدت طرازیوں کے باعث کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟ جب فرعون نے یہ سوال پیش کیا، تو مجلس شوریٰ نے نرمی اور اعتدال کا مشورہ دیا تھا۔ اس زمانہ میں عوام الناس تک ایک حد تک سیاسی شعور رکھتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ (قرآن مجید ۱۹/۲۸) جب ایک شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی سخت گیری کے باعث ملامت کرنی چاہی تو اس نے یہ الفاظ کہے تھے کہ:

"اِنْ تُرِیْدُ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ جَبَّاراً فِی الْاَرْضِ"

تو تو زمین میں ایک جبار بن جانا چاہتا ہے اور صلاح و فلاح کا کام کرنے والوں میں سے نہیں ہونا چاہتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مجلس دوگانہ یا مرکب بادشاہت کا بھی پتہ چلتا ہے[۲]۔

طالوت یعنی بادشاہ ساؤل کا قصہ قرآن مجید میں ایک خصوصی دلچسپی کا حامل ہے۔ بنی اسرائیل کو ان کے دشمن نے شکست دے کر ان کے گھروں سے جلاوطن کر دیا تھا۔ انتقام کی خواہش نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ اپنے پیغمبر سے یہ خواہش کریں کہ ان پر ایک بادشاہ نامزد کیا جائے جو ان کو ساتھ لے کر دشمنوں سے لڑ سکے۔

"اِذْقَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ"۔ یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی

ہے۔ (قرآن مجید ۲۶/۳۸)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سلسلے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ''اور سلیمان کو داؤدؑ کا وارث بنایا''[۴] اگرچہ بیٹا اپنے باپ کا جانشین ہوا تھا لیکن اس قرآنی تذکرے کا منشا یہ بالکل نہیں ہے کہ بیٹا بطور حق کے بادشاہ بنا ہو بلکہ یہ محض خدا کی عنایت تھی کہ باپ کی جگہ بیٹے کو بھی حکومت ملی اور اقتدار کا اصلی سرچشمہ خدا ہی کی مشیت ہے۔

حکمرانی کے کل پرزوں کی حرکت کا سب سے دلچسپ منظر قرآن مجید میں ملکہ سبا کے تذکرہ میں ملتا ہے، چنانچہ:

''قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَؤُا أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْراً حَتَّى تَشْهَدُونِ--الخ''.

اس (ملکہ) نے کہا اے سردارو مجھے میرے اس معاملہ میں مشورہ دو میں تمہاری موجودگی کے بغیر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی، انہوں نے کہا ہم بڑے طاقتور اور بہادر لوگ ہیں، حکم دینا تیرا کام ہے، اس لئے تو سوچ کر فیصلہ کر، اس (ملکہ) نے کہا جب کبھی بادشاہ کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے معززین کو ذلیل بنا دیتے ہیں اور وہ ایسا ہی کریں گے۔ البتہ میں ان (حضرت سلیمان کے ملک والوں) کو ایک تحفہ بھیجوں گی اور دیکھوں گی کہ سفیر کیا واپس لاتے ہیں، چنانچہ جب سفیر سلیمانؑ کے پاس پہنچے تو انہوں نے فرمایا کیا تم مجھے مال کے ذریعہ سے کچھ مدد دینی چاہتے ہو جب کہ وہ چیز جو خدا نے مجھے دے رکھی ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تمہیں دی ہے؟ تمہیں تو اپنے تحفے ہی پر ناز ہے، ان کے پاس واپس جاؤ، ہم بے شک ان کے پاس ایسی فوجیں لے کر آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہیں کر سکیں گے، اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ پست ہو جائیں گے''۔

(قرآن مجید ۲۷/۳۲ تا ۳۷)

ہر زمانہ میں اس امر کی ضرورت تسلیم کی جاتی رہی ہے کہ ملت کی رہنمائی کے لئے ایک قوانین کا مجموعہ بھی موجود ہو، قرآن مجید میں اکثر اس کا ذکر آیا ہے کہ پیغمبروں کو کتابیں یا صحیفے دیئے گئے۔ کتاب کے لفظی معنی حکم دینے کے بھی آتے ہیں اور صحیفہ سے مراد دستورالعمل ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں خاص طور سے اس کا ذکر ہوا ہے کہ جونہی وہ فرعون کی سرزمین سے نکل کر باہر آگئے تو خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احکام لکھی ہوئی تختیاں (الواح) عطا کیں، جن کی تعمیل

تمہیں اس چیز کے ذریعہ سے آزمائے جو اس نے تمہیں دی ہے۔ (ایضاً ۱۶۶/۶)

(ج) "وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ". ہم نے تم کو زمین میں اقتدار عطا کیا اور تمہارے لئے وہاں روزی مہیا کی۔ (ایضاً ۱۰/۷)

جامعہ روما کے پروفیسر نالینو کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں معلوم ہوتی کہ اسلامی حکمران کی تخت نشینی کے وقت جو بیعت لی جاتی ہے، وہ ایک طرح سے معاہدہ معاشری کہلا سکتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

"کسی شخص کو خلافت کا رتبہ عطا کرنا فقہاء کے نزدیک ایک معاہدہ ہوتا ہے، جس کا ایک فریق وہ شخص ہوتا ہے جو اس عہدے کو قبول کرے اور دوسرا فریق جماعت اسلامی ہوتی ہے یہ معاہدہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ بیعت یعنی اظہار وفاداری امت کے اصحاب حل و عقد کی طرف سے نہ عمل میں آ جائے"(۵)

لفظ بیعت کے معنی خود ایک معاہدہ کے ہوتے ہیں اور اصطلاحاً اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وفاداری اور اطاعت کی ایک طرف سے پیشکش کی جائے اور دوسرے فریق کی طرف سے اسے قبول کیا جائے۔ (دیکھئے قرآن مجید ۱۰/۴۸) دوسرے الفاظ میں حکمران کا اقتدار چاہے مشیتِ عامہ سے پیدا نہ ہوتا ہو لیکن اسی پر مبنی ہوتا اور اسی کا محتاج ضرور رہتا ہے۔

اگرچہ رسول کریم ﷺ کے متعلق مسلمانوں میں یہ چیز جزء عقیدہ ہے کہ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں، اور اگرچہ خلفاء پیغمبروں کے سیاسی جانشین سمجھے گئے، لیکن معصومیت کا یہ اعزاز ان کے لئے کبھی تسلیم نہیں کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ بعض دیگر قوموں میں "بادشاہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا" کا جو سیاسی نظریہ یا کلیہ پایا جاتا ہے، وہ مسلمانوں میں کبھی جگہ نہ پاسکا، اس کے برخلاف مسلمانوں کو اسی پر ناز ہے، کہ نہ صرف عام حکمران بلکہ خود پیغمبر ﷺ بھی حقوق العباد کے معاملے میں انہی عام قوانین کے پابند ہیں جن کے عام مسلمان، اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی خود اپنی ذات کے خلاف مقدمات سنے اور منصفانہ فیصلہ کیا(۶)۔ پیغمبروں کی معصومیت کا منشاء اسلامی علم کلام میں صرف یہ لیا جاتا ہے کہ وحی کی تبلیغ اور خدا کے احکام پہنچانے میں ان سے کوئی غلطی یا سہو سرزد نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ دیگر معاملات میں پیغمبر کی حیثیت بھی ایک انسان ہی کی ہوتی ہے اور احادیث میں متعدد مرتبہ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "دنیاوی معاملات میں بھی تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں، سیاسی حیثیت سے رسول کریم ﷺ جماعت اسلامی کے ایک فرد تھے اور ان قوانین کے جن کو آپ

بہرحال یہ اسلامی تصور اقتدار اعلیٰ ہے کہ مقتدر اعلیٰ خداوند خلاق کی ذاتِ کبریائی ہے اور حکمرانی شریعت کو حاصل ہوتی ہے، اور "خلیفة الله فی الارض" یا شریعت کے نفاذ کے افسر کا انتخاب بھی خدا ہی کرتا ہے، اور اس بارے میں خدا کی مشیت کا اظہار "یَدُاللہ علی الجماعة" اور "لایجتمع اُمّتی علی الضلالة" وغیرہ احادیثِ شریفہ کے بمصداق اور عہدِ خلافتِ راشدہ کے نظائر کے مطابق اصحابِ حل و عقد کی بیعت کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

دین و دنیا کا ملاپ

قدیم زبانوں میں جب انسانی تمدن نے زیادہ ترقی نہ کی تھی اور تقسیم کار کی اتنی زیادہ ضرورت پیش نہ آئی تھی کسی ملک میں مرکزی حکومت کے اختیارات یا تو عدل گستری کے متعلق ہوتے تھے، (جس میں دشمن سے جنگ بھی شامل ہے، اور فقہ کی کتابوں میں باب الجہاد کا ذکر "حدود" یعنی سزاؤں کے سلسلہ ہی میں ملتا ہے، یا قومی معبود کی پرستش و عبادت کے متعلق دیگر سلطنتی نظم و نسق کے مسائل اٹھتے ہی نہ تھے، بلکہ وہ عوام کے انفرادی معاملات سمجھے جاتے تھے، اور عبادت ہی نہیں عدل گستری اور جنگ بھی مذہبی مراسم کی تابع تھی، تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ کشوری اور مذہبی فرائض میں دوری پیدا ہوتی جاتی تھی، چنانچہ رومیوں نے لیس یا دنیاوی قانون) کو ہمہ گیر فاس (Fass یا مذہبی قانون) سے ایک الگ چیز کے طور پر ایجاد کیا، یہودیوں نے "قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلَ فِی سَبِیْلِ اللّٰه" (قرآن ۲۴۶/۲) اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر جس کے ساتھ ہم خدا کی راہ میں جنگ کرسکیں۔

اور نبوت و بادشاہت یا مذہب و سیاست کو جدا کر دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی یہ قول --- میں منسوب ملتا ہے کہ قیصر کی چیزیں قیصر کو دے دو، اور کلیسا کی کلیسا کو۔ بدھ متیون اور ہندوؤں کے ہاں بھی ترک دنیا ہی انسانیت کا کمال قرار پایا۔

غرض قدیم اہل مذہب نے دنیائے ناپائیدار کو دل لگانے کے قابل چیز نہ سمجھا، لیکن اس میں دو بنیادی مسائل نظرانداز ہو کر خامی پیدا ہوگئی، ایک تو گنتی کے چند فرشہ صفت انسانوں کے سوا باقی جو لاکھوں کروڑوں عامۃ الناس تھے، ان کے معاملات مادیت پسندانہ ہوگئے اور دوسرے سیاست کی اخلاقی بنیاد نہ رہی اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ سابقہ تمام مذاہب اکائیوں یا دہائیوں میں ختم ہو جانے والے فرشتہ صفت انسانوں کے لئے ہوتے تھے، اور اسلام ناز کر سکتا ہے کہ وہ امیوں اور اوسط درجہ کے انسانوں

اور جنہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے اس دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے، اور پرہیزگاروں کا گھر کیسا اچھا ہے۔ (قرآن ۳۰/۱۶)

جن لوگوں نے خدا کی راہ میں اپنی جانوں کی بازی لگائی ان کو بشارت ہے:

"فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ"

تو اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا بھلا ثواب عنایت کیا اور اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔ (قرآن ۱۴۰/۳)

دنیا کا ثواب فتح و نصرت، نامور و عزت، مال و دولت، اور حکومت و سلطنت ہے۔ جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور خوشی خوشی ہر طرح کی تکلیف جھیلی، ان کو دونوں جہاں کی نعمتیں بخشیں۔

"وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَاظُلِمُوْا---الخ"

اور جنہوں نے (ہمارے لئے) ستائے جانے کے بعد گھر چھوڑا، ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور بے شک آخرت کا اجر سب سے بڑا ہے۔ (قرآن ۴۱/۱۶)

اور اولیاء و اتقیاء یعنی فرشتہ صفت مسلمانوں کو ترکِ دنیا کی ہدایت نہ کی، بلکہ دنیا داری اور دین داری دونوں کے ملاپ کا حکم دیا:

"اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوالصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ"

وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں جما دیں تو وہ نماز کھڑی کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھے کاموں کو کہیں اور برے کاموں سے روکیں، اور ہر کام کا انجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔ (قرآن ۴۱/۲۲)

ان آیتوں سے یہ اشارہ بھی نکلا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں خدا کے قانون کے اجراء کی طاقت ہونی چاہئے، اور یہ اشارہ بھی کہ دین و دنیا کا امتزاج یا ملاپ ہی انسان کو انسان بناتا ہے اور ''احسن تقویم'' کا مظاہرہ ہو سکتا ہے ورنہ وہ یا تو فرشتہ ہو جائے گا، یا شیطان اور ان دونوں اصناف سے جدا ایک خاص مخلوق یعنی انسان کی تخلیق کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

ایسی آیتیں قرآن مجید میں بکثرت ملتی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا نے اپنی ہر مخلوق انسان کی خدمت یا استفادے کے لئے پیدا کی ہے اور انسان اپنے خالق کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے مگر اس کی تفصیل یہاں طول بحث سمجھی جائے گی۔

کہتا، بلکہ وہ وحی ہی ہوتی ہے۔ (قرآن مجید ۵۳/۳)

آرنلڈ نے اپنی کتاب خلافت میں بالکل ٹھیک رائے ظاہر کی ہے، کہ اس طرح رعیت کے فریضہ اطاعت پر زور دیا گیا، مگر اس کے ساتھ ہی حکمران کے لازمی فرائض کا اتنا ذکر نہیں ہوا، اس سے اسلامی حکمران جابر اور استبداد پسند نہیں بن گیا، کیونکہ حشر و نشر اور حساب و کتاب کا عقیدہ نیز حکمران کا بھی قانون اسلامی کے ماتحت ہونا اس پر گرفت رکھنے کے لئے کافی ثابت ہوئے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ حکمران کے فرائض پر قرآن مجید نے زور نہ دیا ہو:

(الف) فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ وَلَاتَتَّبِعْ اَھْوَائَھُمْ. (اس کے لئے) بلا اور (اے محمد) استقامت سے رہ جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر، بلکہ کہہ: میں ایمان لاتا ہوں ہر اس کتاب پر جو اللہ نے اتاری ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں۔ اللہ ہمارا اور تمہارا آقا ہے ہم کو ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام۔ ہم میں اور تم میں کوئی حجت نہیں اللہ ہمیں یکجا کرے گا اور ہمیں اسی کی طرف جانا ہے۔ (قرآن مجید ۴۲/۱۵)

(ب) فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ. تب ہم یقیناً ان لوگوں سے دریافت کریں گے جن کے پاس ہمارا پیغمبر بھیجا گیا تھا۔ ہم پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے۔
(قرآن مجید ۷/۶)

متعدد آیتوں میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ اجتماعی اور حکومتی مفاد کو انفرادی مفاد پر ترجیح دی جائے، مثلاً قرآن مجید (۸/۲۰)

(الف) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ---الخ. اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو، اور نہ جان بوجھ کر اپنی باہمی امانتوں میں خیانت کرو۔

(ب) وَاعْلَمُوْا اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ---الخ. اور یہ جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہے اور خدا ہی کے پاس اجر عظیم پایا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا آیتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ذاتی مفاد کے لئے یا بیوی بچوں کی خاطر بھی ہمیں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جو نامناسب ہو اور عالمِ آخرت کے حساب و کتاب کے لئے ہمیں اپنے ہر فعل میں اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

ضمناً اس چیز کی طرف بھی اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ ''حبِّ ملّی'' اسلام میں ایک نیم مذہبی، نیم

ڈائری وغیرہ کی جو تفصیل قرآن میں آئی ہے، وہ عہدِ نبوی کے مروّجہ امور ہوں گے جن کے ذریعہ سے عالم آخرت کا خاکہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

شورائیت

قرآن مجید میں حکم ہے کہ حکمران اپنے فیصلے مشورہ لے کر کیا کرے، چنانچہ:-

(الف) وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَاعَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ. اور ان سے معاملات میں مشورہ کر پھر جب تو عزم کرے تو خدا پر توکل کر، بے شک خدا توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (قرآن مجید ۱۵۹/۳)

(ب) فَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَاللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى---الخ. جو کچھ تمہیں دیا گیا وہ دنیاوی زندگی کا ایک حق تمتع ہے، اور بس۔ ورنہ خدا کے پاس جو چیز ہے وہ بہتر اور زیادہ پائیدار ہے۔ یہ ان لوگوں کو ملے گی جو اپنے رب پر ایمان لاتے، اور اس پر توکل کرتے ہیں اور جن کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں، اور جو اس چیز کو خرچ (خیرات) کرتے ہیں، جو ہم نے ان کو عطا کی۔ (ایضاً ۳۶/۴۲-۳۸)

(ج) طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوْا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًالَّهُمْ. (مشیروں وغیرہ کے لئے فیصلے کے بعد) اطاعت اور (فیصلے کے وقت) قول معروف ہونا چاہئے اور پھر جب کسی کام کا عزم کر لیا جائے، تو اگر وہ لوگ خدا سے اپنے کئے ہوئے وعدے کو پورا کریں تو انہی کے لئے اچھا ہے۔ (ایضاً ۲۱/۴۷)

غرض اگر مشورہ لینے کی ایک طرف پابندی عائد کی گئی ہے، تو دوسری طرف مشورہ کے بعد جو بھی چیز قرار پا جائے اس کی تعمیل کرنا بلالحاظ اس کے کہ وہ اپنی رائے اور مشورے کے مطابق تھی۔ یا مخالف ضروری قرار دیا گیا ہے، ساتھ ہی اس کا بھی ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آخری ذمہ داری چونکہ حکمران پر ہوتی ہے اس لئے اس کو مشورے کے متعلق حق تنسیخ دیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید ۶/۱۱۷ میں بیان کیا گیا ہے۔

قانون سازی

قرآن مجید نے نبی کریم ﷺ کو ہر قول و فعل کو اسوہ حسنہ اور قانون کی حیثیت دی ہے (دیکھئے قرآن مجید ۳ تا ۵۳/۴ و ۵۹ وغیرہ) اس حکم کے باعث اسلامی فقہاء یا قانون سازوں کا کام آسان

(ب) اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا. ان لوگوں کو جن سے لڑا جا رہا تھا (برابر کا جواب دینے کی) اجازت دے دی گئی، کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا تھا--- یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا کریں، تو وہ خدا کی عبادت کو قائم کر دیں، اور زکوٰۃ دیں، اچھی بات کا حکم دیں، اور بری بات سے روک دیں۔ (ایضاً ۳۹/۲۲ تا ۴۱)

(ج) قَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَاتَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ. ان سے اس وقت تک لڑتے رہو، تا آنکہ فتنہ باقی نہ رہے، اور خدا ہی کا دین چھا جائے۔ (ایضاً ۳۹/۸)

(د) وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا---الخ. اے محمد ہم نے تجھے صرف اس لئے بھیجا ہے کہ تم لوگوں کے لئے بشیر و نذیر کو اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔

(قرآن مجید ۲۸/۳۴)

غالباً یہی وہ ایقان یا احساسِ فرض تھا جس نے انہیں دنیا میں حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے کے لئے اپنی ہر چیز کو قربان کر دینے کے لئے آمادہ کر دیا۔ جہاد کا جو حکم مذکورہ بالا اور دیگر آیات قرآنی میں ملتا ہے اس کا منشاء یہ بالکل نہ تھا کہ دوسروں کی جائیداد لوٹی جائے بلکہ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ ایک مقدس ترین اور بڑا ایثار طلب فریضہ تھا کہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر دوسروں کی رہنمائی کریں اور ان کو سیدھا راستہ دکھائیں، یہ بار جو محض خدا کی راہ میں تھا اسے انہوں نے ہنسی خوشی برداشت کیا۔

قانون بین الممالک کے خاصے تفصیلی احکام ہمیں قرآن مجید میں ملتے ہیں جن پر مختلف مقالے بھی لکھے جاتے رہے ہیں[۱۱]، یہاں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ صرف اس قدر اشارہ کافی ہے کہ قرآن مجید میں انتقامی جنگ (۹۰/۲تا۹۵) معاہدات کی تعمیل (۹/۷) مدافعت (۴/۷۵، ۳۹/۲۲ تا ۴۱)، ہمدردانہ جنگ (۲/۸) فریق ثانی کی طرف سے معاہدہ شکنی کا خوف (۵۸/۸) مذہبی رواداری (۲۵۶/۲، ۸۵/۶، ۷۰/۱۰۰) غیر مسلم رعایا سے برتاؤ (۵/۲۵) قیدیوں سے برتاؤ (۴/۴۷ و ۸ تا ۹/ ۷۶) پناہ جویوں کو امن دینا (۹/۶) مفتوحہ اراضی کا انتظام (۷/۱۰) صلح کرنا (۸/۶۱) غیر جانبداری (۴/۸۸ تا ۹۱، ۱۱ تا ۵۹/۱۲، ۸ تا ۶۰/۹) وغیرہ وغیرہ امور کا اصولی ذکر ملتا ہے۔

قومی دولت

کَیْ لَایَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ

تاکہ وہ تم میں سے صرف مالداروں میں گردش نہ کرتی رہے۔ (قرآن مجید ۷/۵۹)

ہجرت کے بعد جو دستورِ مملکت نافذ فرمایا تھا اور جس کا پورا متن خوش قسمتی سے ہم تک پہنچ چکا ہے، اس کی دفعہ (۲) میں بھی انہی اصطلاحات کو استعمال کیا گیا ہے۔ لفظ خلیفہ کے لئے دیکھئے قرآن مجید ۲۷۳۸ اور لفظ امام کے لئے ۱۲۴/۲۔

جانشینی

لفظ خلیفہ کے ساتھ ہم جانشینی کے خار دار مسئلہ سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ مسئلہ ہے جس نے تیرہ سو سال سے مسلمانوں کو دو بڑی متخاصم جماعتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ جو اسلام رسول کریم ﷺ اپنی امت کے لئے لائے تھے اور جس کی آپ عمر بھر تبلیغ کرتے رہے اس کے بنیادی اصولوں میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ آپ کی جانشینی کے لئے کیا اصول ہو اور اس اصول کا ماننا اس سے بھی کم ایک جزء عقیدہ بن سکتا ہے؟ لیکن بدقسمتی سے اس کے بالکل برعکس صورت حال پیدا ہوگئی اور ہر دو فریقوں کے ہاں غلو رکھنے والے خیالات بھی پھیلتے رہے۔ حالیہ زمانہ میں ایک حل جو اس کے لئے سوچا گیا ہے وہ سنجیدہ غور کا مستحق ہے۔ وہ یہ کہ سنی اور شیعہ دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ تاریخی واقعہ کی حیثیت سے جناب رسالت مآب ﷺ کے بعد حضرت علیؓ پہلے خلیفہ نہیں ہوئے۔ اسی طرح شیعہ اور سنی دونوں ہی اس پر متفق ہیں کہ روحانی امور میں حضرت علیؓ جناب رسالت مآب ﷺ کے خلیفہ بلافصل ہیں(۱۲)۔ چنانچہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ وغیرہ قریب قریب تمام صوفی سلسلے اس کو مانتے ہیں(۱۳)۔ اب رہا یہ امر کہ حضرت علیؓ کو سیاسی جانشینی کا بھی استحقاق تھا یا نہیں۔ یہ ایک خالص علمی مسئلہ رہ جاتا ہے جس کو آئے دن کی روزمرہ سیاسی زندگی پر اب تیرہ سو سال بعد اثر انداز کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

جس طرح ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کے آنے تک اوّل الذکر ہی کی شریعت باقی رہتی ہے اسی پر قیاس کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک حکمران کی وفات کے باوجود اس کے جانشین کے انتخاب تک اوّل الذکر ہی کا اقتدار جاری رہتا ہے اور اسی کے مقرر کردہ افسر اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہنے کے پابند ہیں، چنانچہ:-

كَانَ اَبُو حنيفة يقول اذا مات الخليفة فالقاضى علىٰ قضائه والوالى علىٰ ولايته حتىٰ يغيرله القائم بعده' (مناقب ابى حنيفه للموفق ج ا ص۸۷-۸۸).

امام ابوحنیفہؒ فرماتے تھے، اگر خلیفہ کا انتقال ہو جائے، تو قاضی اپنی قضات پر اور والی اپنی حکومت پر باقی رہتا ہے۔ جب تک خلیفہ کا جانشین اسے بدل نہ دے۔